کتاب نما

رسولِ عربیؐ اور عصرِ جدید، سید محمد اسماعیل۔ ناشر: احمد پبلی کیشنز، قومی پریس بلڈنگ، نزد ایم اے او کالج، لاہور۔ صفحات: ۳۲۰۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

زیرتبصرہ کتاب کا موضوع سیرت النبیؐ ہے، لیکن مصنف نے ایک انوکھے انداز سے قلم اٹھایا ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب کے پہلے حصے میں سیرتؐ کے واقعات کو اختصار کے ساتھ، مگر ایک متحرک تجربے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ جب قاری کا تعلق، اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات کی سب سے بڑی ہستیؐ سے جڑ جاتا ہے تو پھر مصنف ۱۴۰۰ سال پہلے کی فضا کو، اکیسویں صدی کے ظلم، بغاوت اور لادینیت پر مبنی فساد کے جدید زمانۂ جاہلیت کے مدِمقابل لا کھڑا کرتے ہیں۔ اس طرح ایمان کی پختگی اور عصرِ حاضر کے چیلنجوں کو آمنے سامنے دیکھنے کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

مصنف اگرچہ ایک ریٹائرڈ بیوروکریٹ ہیں، تاہم دانشِ برہانی اور عشقِ رسولؐ سے سرشار اور زمانۂ حال کے قلب کی دھڑکنوں سے واقف اور فسادِ دوراں کی رمزوں سے خوب شناسا ہیں۔ قرآن، سنت اور ایمان سے وابستگی نے، مصنف کو رہنمائی کے لیے دلیل، دانش اور ابلاغ کی دولت سے نوازا ہے، جس کے نتیجے میں انھوں نے مغربی تہذیب وفکریات کو بڑے عام فہم انداز سے بے نقاب کیا ہے۔ جس میں خصوصاً ڈارون کے نظریۂ ارتقا، مارکس کے نظریۂ اشتراکیت اور فرائڈ کے نظریۂ جنس کو اس انداز سے موضوع بحث بنایا ہے، کہ تہذیبِ مغرب کے ان سرچشموں کی باطنی کجی اور شرانگیزی بخوبی الم نشرح ہوجاتی ہے۔ اس ضمن میں مغربی فلاسفہ کی اُمہاتِ کتب کے ٹھوس شواہد اور رہنماؤں کے تعامل سے ثبوت لاکر قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کا تجزیہ کیا ہے۔ یوں حیوانیات، نفسیات اور معاشیات کے بڑے بنیادی سوالات پر سیرحاصل بحث سامنے آگئی ہے۔

قارئین کی دل چسپی کے لیے ابتدائیے کے چند جملے پیش ہیں: ''(محمد عربیؐ) کے نام لیوا

اب بھی دنیا کے ہر گوشے میں بکثرت پائے جاتے ہیں، پڑھا یا ہوا سبق بھی خوب صورت جلدوں میں ان کے پاس موجود ہے، لیکن ان کے دلوں میں وہ پہلی سی حرارت نہیں رہی۔ ذہن شکوک و شبہات سے لبریز ہیں اور روحِ عمل مفقود ہے--- ان کے تعلیم یافتہ اور ذی اقتدار طبقوں کو یقین ہو چلا ہے کہ افکار اور مسائل کے اقدار اس قدر بدل چکے ہیں کہ [اسلام] کہنہ اور فرسودہ ہو کر رہ گیا ہے۔ قدیم خیال علما اس رجحان کو الحاد اور زندقہ کے نعروں [یا فتووں] سے دبانا چاہتے ہیں، لیکن ان کی کوششیں ناکام نظر آتی ہیں۔ خیالات کی کسی نئی کروٹ کو الجھی ہوئی تحریروں اور جذباتی تقریروں سے دبایا نہیں جاسکتا۔..... تہذیب مغرب کی نئی روشنیوں: ڈارون، فرائڈ اور مارکس کی تعلیم [کا مطالعہ] نہایت سنجیدہ توجہ کا محتاج ہے.....ان مغربی نظریات کا تنقیدی جائزہ اور تعلیم، اسلام کے ساتھ ان کا ایسا موازنہ جو دانشِ مغرب کو بھی غور و فکر پر مجبور کرے، وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ کتاب اسی ضرورت کے مدنظر لکھی گئی ہے'' (ص ۱۱)۔

یہ کتاب، جدید تہذیب کے بڑے بنیادی مقدمات پر جامع بحث کرتے ہوئے قاری کا رشتہ سیرتِ رسولؐ سے جوڑتی ہے۔ مصنف نے جدید فکریات کی چمک میں پوشیدہ جہالت کے تار و پود بکھیر دیے ہیں۔ افسوس کہ یہ کتاب گذشتہ ۳۵ برس تک گوشۂ خمول میں پڑی رہی۔ اب یہ تقاضا کرتی ہے کہ خصوصاً اساتذہ اور طلبہ توجہ سے اس کا مطالعہ کریں۔ (سلیم منصور خالد)

عبدالمطّلب ہاشمی (رسولِ اکرمؐ کے دادا)، پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی۔ ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۷۸۱ حوض سوئی والان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔ صفحات: ۱۲۰۔ قیمت: ۵۰ روپے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا جب بھی اور جہاں بھی تذکرہ ہوگا، ناممکن ہے کہ وہاں آپ کے عہدِ طفلی کے حوالے سے جناب عبدالمطّلب بن ہاشم کا ذکرِ خیر نہ آئے۔ جناب عبدالمطّلب حضوؐر کے شفیق دادا تھے۔ انھوں نے اپنے کم سن 'دُرِیتیم' پوتے کی جس بے پناہ محبت اور شفقت کے ساتھ سرپرستی اور کفالت کی، اس بنا پر ننھے حضوؐر کو بھی ان سے بے انتہا محبت ہوگئی تھی۔ ابھی حضوؐر آٹھ سال کے نوخیز بچے تھے کہ جناب عبدالمطّلب نے وفات پائی۔ حضوؐر کو ان کی وفات سے انتہائی صدمہ ہوا۔ مستند روایتوں میں ہے کہ آپؐ اُن کی میت کے قریب

کھڑے ہوکر روتے رہے اور جب ان کا جنازہ اٹھا تو آپؐ اس کے ساتھ روتے چلے جا رہے تھے۔اس سے جناب عبدالمطّلب سے حضوؐر کے تعلقِ خاطر کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

زیرِنظر کتاب میں جناب عبدالمطّلب کے سوانح حیات بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ فاضل مصنف نے بالکل درست لکھا ہے کہ جناب عبدالمطّلب، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہونے کے شرف کی بنا پر ہمارے لیے اور غالباً ساری دنیا کے لیے ایک عظیم ترین شخصیت ہیں، مگر وہ اپنی ذات، صفات، زمان، مکان اور مجموعی شخصیت کے اعتبار سے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ فی الحقیقت جناب عبدالمطّلب اپنی فیاضی، دانش وحکمت، خدمتِ خلق اور دوسرے اوصافِ حمیدہ کی بنا پر نہ صرف قریشِ مکہ بلکہ عرب بھر میں ایک ہمہ گیر وہمہ جہت شخصیت کے طور پر مشہور ومعروف تھے۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بیش تر کتبِ سیّر میں ان کے بہت تھوڑے حالاتِ زندگی ملتے ہیں۔

پروفیسر محمد یٰسین مظہر، تحسین کے مستحق ہیں کہ انھوں نے زیرتبصرہ کتاب لکھ کر یہ کمی پوری کر دی ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب کی تصنیف میں قرآن حکیم کے علاوہ حدیث، سیرت اور تاریخ کی کم وبیش ڈیڑھ سو کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ جناب عبدالمطّلب کے تمام حالاتِ زندگی فراہم کیے ہیں۔ پھران کو نہایت قرینے سے مرتب کر کے نتائج اخذ کیے ہیں اور ان کا اندازِ نگارش بڑا شستہ اور عام فہم ہے۔ بلاشبہہ یہ کتاب پروفیسر محمد یٰسین کا قابلِ ستایش کارنامہ ہے اور ساتھ ہی پوری چھٹی صدی ہجری کی تاریخِ عرب (بالخصوص مکّہ وقریش) بھی بیان کر دی ہے۔ اردو کتب تاریخ وسیرت میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اگر کتاب کے عربی الفاظ واسما پر اِعراب لگا دیے جاتے تو اس کی افادیت میں اضافہ ہوجاتا۔ صفحہ ۵۰ پر امیمہ بنت عبدالمطّلب کے شوہر کا نام جحش (ح ج ش) بیان کیا گیا ہے، صحیح نام جحش (ج ح ش) ہے، غالباً یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔ (طالب الہاشمی)

خطۂ خاک یا ارضِ پاک؟ (چندنظریاتی مباحث) پروفیسر فتح محمد ملک۔ ناشر: دوست پبلی کیشنز، ۸-اے، خیابانِ سہروردی، پوسٹ بکس ۲۹۵۸، اسلام آباد۔ صفحات: ۱۸۶۔ قیمت: ۱۴۰ روپے۔

پروفیسر فتح محمد ملک اُردو ادب کے جیّد نقاد اور معروف دانش ور ہیں۔ شعروادب اور

نقد و انتقاد کے مسائل پر تو اُن کا جان دار قلم پہلے بھی رواں رہتا تھا لیکن ادھر کچھ عرصے سے انھوں نے بعض قومی و ملّی مسائل (خصوصاً مسئلہ کشمیر اور پاکستان کی نظریاتی اساس) پر قلم اٹھایا ہے اور پے در پے ایسے مضامین لکھے ہیں جو ایک سچے اور کھرے ادیب اور قلم کار کی پہچان ہیں۔ (اُن کے مجموعۂ مضامین کشمیر کی کہانی پر مفصل تبصرہ دیکھیے: ترجمان القرآن' اکتوبر ۲۰۰۱ء)

اُن کے ۳۱ مضامین پر مشتمل زیرنظر مجموعے کا انتساب ''نظریاتی محاذ پر ثابت قدمی کی روشن مثال مجید نظامی کے نام'' ہے۔ یہ سب یا ان میں سے بیش تر مضامین نواے وقت میں چھپ چکے ہیں۔ یہ مضامین پاکستان' بھارت اور بعض غیرملکی قلم کاروں کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر دو قومی نظریے' قائداعظم' پاکستان اور بھارت کے درمیان مفاہمت' اردو زبان اور مشترکہ نصابِ تعلیم کی تجویز کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔

پروفیسر' ملک پاکستان کی نظریاتی اساس کے بارے میں ایک واضح تصور رکھتے ہیں۔ نظریۂ پاکستان سے انحراف اور کشمیر پر پاکستان کے اصولی تاریخی موقف سے روگردانی کو وہ ملتِ اسلامیہ کے لیے خودکشی کے مترادف سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں ایک آزاد' خودمختار اور ترقی پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل اُن کا دیرینہ خواب ہے۔ چنانچہ ''نظریاتی استحکام کی تمنا'' سے سرشار' یہ مضامین پاکستان کی نظریاتی اساس کے دفاع کے ضمن میں ایک قلمی جہاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اشتراکی دانش ور طارق علی ہوں یا صحافت کار ایاز امیر' بھارتی تجزیہ نگار کلدیپ نیر ہوں یا اسٹاک ہوم یونی ورسٹی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر اشتیاق احمد یا ماہر معاشیات ڈاکٹر اکمل حسین--- اس طبقہ فکر کے دانش ور 'علاقائی امن و سلامتی' کی خاطر ہمیں 'نئے وژن اور نئی حکمت عملی' اختیار کرنے اور پاکستان کو 'بچانے' کی خاطر کشمیر پر استصوابِ رائے کے اصولی موقف سے دست بردار ہونے کی ترغیب دے کر 'ساؤتھ ایشین یونین' جیسی لغو تجاویز پیش کرنے میں پیش پیش رہے ہیں۔ پروفیسر ملک نے ایسے دانش وروں کا فکری اور قلمی سطح پر تعاقب کر کے فرضِ کفایہ ادا کیا ہے۔ وہ بجا طور پر سوال اٹھاتے ہیں کہ یہ اتحاد اور یہ مشترکہ دفاع کس کے خلاف ہوگا؟ دنیاے اسلام کے خلاف اور چین کے خلاف؟--- یقیناً' جیسا کہ وہ کہتے ہیں: 'اسلام بے زار یا اسلام مخالف قوتوں کو پاکستان کا آزاد اور خودمختار وجود گوارا نہیں'۔ چنانچہ 'ساؤتھ ایشین یونین کا تصور عام کرنا

گویا نو استعماری خواب کو حقیقت میں بدلنے کی کوشش ہے۔ (ص ۵۷)

پروفیسر ملک کا خیال ہے کہ: پاکستانی قوم اس لیے مصائب و مشکلات کا شکار ہے کہ اسے اسلام کے صراطِ مستقیم کے بجاے مُلائیت اور خانقاہیت کی ٹیڑھی میڑھی راہوں پر ڈال دیا گیا ہے (ص ۱۶۰)۔ ان کی یہ تشخیص غلط تو نہیں، مگر ہماری رائے میں اس کی ذمہ داری ملّا سے کہیں زیادہ ضمیرفروش اربابِ سیاست، جاگیرداروں، فوج اور نوکرشاہی پر عائد ہوتی ہے۔ اگر تاریخِ پاکستان کے اوراق اُلٹیں تو معلوم ہوگا کہ اول روز ہی سے اختیار و اقتدار مسلم لیگ، جناح لیگ، ری پبلکن پارٹی، عوامی لیگ، کونسل لیگ، کنونشن لیگ، پیپلز پارٹی، نون لیگ اور ق لیگ کے نام پر متذکرہ بالا چار طبقوں کے پاس رہا ہے اور اب تو یہ سب ایک دوسرے کے پشتی بان بن چکے ہیں۔

پروفیسر ملک کے ان مضامین میں اختلاف کے کچھ پہلو بھی موجود ہیں، مثلاً یہ کہنا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مرزا بشیرالدین محمود ہر دو نے جاگیرداری نظام کے شرعی جواز مہیا کرنے میں یکساں داد تحقیق دی ہے، بڑی زیادتی ہے۔ جن لوگوں نے سید مودودی کو پڑھا ہے، وہ پروفیسر ملک کی بے خبری پر اظہارِ تاسف ہی کریں گے۔ جاگیرداری اس ملک سے کیوں نہ ختم ہوسکی اور ''پاکستان میں اسلام کے ابدی اصولوں پر مبنی ایک انقلابی معاشی نظام'' کیوں نہ قائم ہوسکا؟ اس لیے کہ پروفیسر ملک کے بقول: ''قائداعظم کی جیب کے کھوٹے سکّے'' اس کے برعکس عزائم کے حامل تھے'' (ص ۱۵)۔ یقیناً سید مودودی کی تحریریں جاگیرداری کے خاتمے میں رکاوٹ نہیں بنیں۔ پروفیسر ملک، ذوالفقار علی بھٹو کے مداح ہیں، اور پاکستان کی آئیڈیالوجی پر بھٹو کے 'غیرمتزلزل ایمان' کے قائل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں ''عوام نے جعلی آئیڈیالوجی کو رد کر کے حقیقی آئیڈیالوجی کو ووٹ دیے'' (ص ۱۴۱)۔ بالیقین اگر ذوالفقار علی بھٹو کے پاس واقعی کوئی آئیڈیالوجی ہوتی یا وہ ''حقیقی آئیڈیالوجی'' پر (جس کے وہ علم بردار تھے) صدقِ دل سے یقین رکھتے تو جاگیرداری کو ختم کر دیتے۔ اصل بات یہ کہ بقول پروفیسر ملک ''پاکستان کے تمام تر مسائل آئیڈیالوجی سے اس شرم ناک انحراف کا شاخسانہ ہیں'' (ص ۱۳۰)۔ فکر و بیان کے جزوی اختلاف کے باوجود، مجموعی طور پر یہ ایک قیمتی کتاب ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

Gun and Political Development in the Sub-continent [بندوق اور برعظیم میں سیاسی ارتقا] بریگیڈیر (ر) شمس الحق قاضی۔ ناشر: شہریار پبلی کیشنز، سی اے ۵۸، سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی۔ صفحات: ۲۴۹۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔

عسکری امور کے ماہر اور سیاسی و سماجی تجزیہ نگار کی حیثیت سے جناب شمس الحق قاضی کا نام محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ وہ ان معدودے چند فوجی افسروں میں سے ہیں جو پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ، اپنے علمی اور تاریخی ورثے سے بھی بخوبی آگاہی رکھتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اہم یہ کہ وہ قومی و ملّی شعور اور دینی جذبے سے بھی سرشار ہیں۔ قاضی صاحب موصوف ملک و ملّت کے مسائل پر برابر سوچ بچار کرتے ہیں اور اپنے مطالعے اور نتائجِ فکر و تحقیق سے اہلِ ملک و ملّت کو بواسطہ قلم و قرطاس باخبر رکھنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

زیرنظر کتاب اُن کی برسوں کی علمی تحقیق کا حاصل ہے۔ اس میں بارود کی ایجاد سے لے کر جدید زمانے کی توپوں اور میزائلوں تک کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ بارود کا استعمال حربی تاریخ میں ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ سب سے پہلے مسلمانوں نے عیسائیوں کے خلاف باقاعدہ توپ خانہ استعمال کیا۔ جدید دور کی راکٹ سازی سلطان حیدرعلی والیِ میسور کی مرہونِ منت ہے۔ اس سے پہلے مسلمان منجنیق کا کامیاب تجربہ کر چکے تھے جسے انگریزی میں مشین کا نام دیا گیا۔

مغلوں کے بعد سکھوں نے توپ خانے سے کیسے فائدہ اٹھایا؟ اور چھوٹی بڑی توپوں نے بسااوقات کسی لڑائی میں کیسے پانسا پلٹ دیا؟ قاضی صاحب نے تاریخی حوالوں کے ساتھ زیرِنظر کتاب میں اس کی پوری تفصیل پیش کی ہے۔ تاہم یہ کتاب خشک، فنی حقائق یا فقط بندوق و بارود کے کوائف پر مشتمل نہیں بلکہ برعظیم کے سیاسی مدوجزر کا ایک روشن آئینہ بھی ہے۔ خصوصاً اس تناظر میں کہ توپ خانے اور جنگی ہتھیاروں نے کس طرح سیاست کے نشیب و فراز کو متاثر کیا۔ مصنف یہ بھی بتاتے ہیں کہ مدمقابل پر غلبے اور اسے شکست دینے کا انحصار محض توپوں اور دیگر جنگی ہتھیاروں پر نہیں ہوتا بلکہ اصل چیز وہ عسکری روح ہے جو کسی فوج کے جسم و جان میں سرایت کر کے اسے فتح سے ہم کنار کرتی ہے۔ انھوں نے مثالیں دے کر بتایا ہے کہ مغلوں کے زوال میں بنیادی کردار فوجی افسروں کی آرام طلبی، بزدلی اور غداری کا تھا۔

کتاب میں متعدد تصاویر اور دستاویزات بھی شامل ہیں۔ مصنف موضوع پر قابلِ رشک مہارت اور دسترس رکھتے ہیں۔ انھوں نے عربی اور فارسی مصادر سے بھی استفادہ کرتے ہوئے کتاب کو نادر معلومات سے مزین کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس اہم علمی تحقیق کو اُردو میں بھی شائع ہونا چاہیے۔ (ر-ہ)

شیخ احمد یاسین شہید، ڈاکٹر مفکر احمد۔ ناشر: القدس پبلی کیشنز، لاہور۔ صفحات: ۵۱۲۔ قیمت: ۳۵۰ روپے۔

''ہم نہ موت سے ڈرتے ہیں نہ کسی کے سامنے جھکتے ہیں۔ ہمارے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے: عزت کی زندگی یا عزت کی موت! جب اپنا قومی وجود خطرے میں ہو تو ہر مرد، ہر عورت، ہر بچے اور ہر بوڑھے پر مزاحمت لازم ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ظلم ہوتا رہے اور ہم کسی دوسرے سیّارے کی مخلوق بن کر چپ چاپ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں''---شیخ احمد یاسین کے یہ الفاظ ان کی تحریک کا بنیادی منشور اور ان کی فکر کا خلاصہ ہیں۔ شیخ جسمانی طور پر معذور لیکن ذہنی اور فکری اعتبار سے اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

ڈاکٹر مفکر احمد نے فلسطین کے اس بطلِ حریت اور پیکرِ عزم و وفا کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ کتاب میں شیخ کے حالاتِ زندگی، ان کے انٹرویو، ان کے خطوط، اہلِ قلم کے تاثرات اور اہم شخصیات کے مضامین کو یکجا کیا گیا ہے۔ مصنف نے جملہ نگارشات کو خوش اسلوبی سے ترتیب دیا ہے۔ اس سے شیخ احمد یاسین کی پوری زندگی پوری تفصیل اور توانائی کے ساتھ سامنے آ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے یہودی و عیسائی حکمرانوں کے عزائم بھی بے نقاب ہوتے ہیں، نیز یہود و نصاریٰ کے آلہ کار بعض نام نہاد مسلم حکمرانوں کا منافقانہ کردار بھی سامنے آتا ہے۔

اس کتاب کو پڑھتے ہوئے، قدرتی طور پر ایک مسلمان کا ایمانی ولولہ و جوش تازہ ہو جاتا ہے۔ شیخ کی زندگی سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ عزم بلند ہو تو راستے کی مشکلات سدِّ راہ نہیں بنتیں۔

اُمت مسلمہ کو ایسے ہی بلند حوصلہ اور جواں عزم رکھنے والے قائدین کی ضرورت ہے جو مادی منفعت اور اقتدار سے بے نیاز ہوکر جذبۂ ایمانی کی حرارت سے مالا مال ہوں۔

کتاب میں شیخ کی چند تصاویر بھی شامل ہیں۔ شہادت کے بعد شیخ کے جسدخاکی کی تصویر یہود کی وحشت و بربریت کی بدترین مثال ہے۔(محمد ایوب لِلّٰہ)

یوسف عزیز مگسی، پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ ناشر: مکتبہ شال، ۲۷۲، اے او بلاک ۳، سیٹلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ۔ صفحات: ۸۵+۱۶۔ قیمت: ۷۰ روپے۔

نواب محمد یوسف علی خان مگسی (۱۹۰۸ء-۱۹۳۵ء) بلوچستان کے ایک مخلص، اولوالعزم اور روشن خیال خادمِ ملک و ملّت تھے۔ گو انھوں نے صرف ۲۷ برس عمر پائی مگر جب تک جیے، اپنے پس ماندہ معاشرے میں انقلابی تبدیلیوں اور اپنی قوم کی بیداری اور تعلیمی ترقی اور غلامانہ ذہنیت سے نجات کے لیے کوشاں رہے۔ بلوچستان میں تعلیمی بیداری، سماجی شعور پیدا کرنے میں ان کی کاوشوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ قبائلی اور سرداری نظام میں پرورش پانے کے باوجود، وہ صحیح معنوں میں غریبوں کے ہمدرد اور اُن کے لیے تڑپ رکھنے والے شخص تھے۔ انھیں قیدوبند کی صعوبت سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ ۱۹۳۴ء میں انھیں علاج کے بہانے جلاوطن کر کے لندن بھیج دیا گیا۔ قائداعظم سے بھی اُن کا رابطہ تھا اور وہ علامہ اقبال کی شاعری سے بھی بہت متاثر تھے۔ خود انھوں نے اُردو اور فارسی میں شعر بھی کہے ہیں۔ انگلستان سے واپسی پر وہ ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو کوئٹہ کے خوفناک زلزلے میں لقمۂ اجل بن گئے۔

یہ صاحبِ دل نوجوان، میر جعفر خان جمالی کے بقول: ''صحیح معنوں میں اپنی درماندہ قوم کو عزت و آبرو سے سیاسی زندگی بسر کرنے کے لیے عمربھر کوشاں رہا''۔ جناب انعام الحق کوثر نے مرحوم کی سیاسی و سماجی، علمی و ادبی اور تعلیمی خدمات کا ایک مختصر تذکرہ مرتب کیا ہے۔ وہ اس موضوع پر اس سے پہلے بھی کچھ کام کر چکے ہیں۔ زیرنظر کتاب میں یوسف عزیز کے مختصر حالات، ان کی گوناگوں خدمات کی جھلکیاں، شاعری کے نمونے اور ان کے دست نوشت خطوں اور تحریروں کے عکس شامل ہیں۔(ر-ہ)

چیک بک' اختر عباس۔ ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت' غزنی سٹریٹ' اُردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۱۰۲۔ قیمت: ۴۵ روپے

زیرنظر کتاب بچوں کے لیے اختر عباس کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ وہ بچوں کی نفسیات سے بخوبی واقف ہیں اور انھیں بچوں کی ذہنی کیفیات کو مختلف کرداروں کے ذریعے اجاگر کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ اسی بنا پر انھوں نے بچوں کے مسائل کو بعض کرداروں کی مدد سے اتنی اپنائیت سے پیش کیا ہے کہ محسوس ہوتا ہے جیسے ہر بچہ ان کا دوست ہے اور سچ بھی یہی ہے کہ یہ کہانیاں انھیں بچوں کا سچا دوست ثابت کرتی ہیں۔

ہمارے اردگرد ایسے بے شمار کردار ہیں' جنھیں ہم درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے' اور نظرانداز کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ''دیمک'' ایک ایسے نوجوان کی کہانی ہے جس کے والد کو محض اپنے نفع کی فکر ہے اور وہ بچوں کا ذہنی اور دلی دکھ نہیں جان سکتے۔ 'چھیلا' اس باپ کے دل کی بپتا ہے جسے اس کے بیٹے نے کسی قابل ہی نہیں سمجھا تھا۔ 'پیمانہ' پڑھ کر یقین کرنا مشکل ہے کہ کیا مائیں ایسی سنگ دل بھی ہوسکتی ہیں جو بیٹوں کی سلامتی کے بجاے ان سے ملنے والی دولت کی خواہش مند ہوں۔ 'کمشن'، 'دربان' اور 'قیمت' میں بھی ایسے ہی معاشرتی اور سماجی رویوں کا بیان ہے جنھیں ہم عام طور پر قابلِ توجہ نہیں سمجھتے۔ بقول علی سفیان آفاقی: ان کی اکثر کہانیاں دکھوں کی کہانیاں ہیں مگر انھی میں سے خوشیوں کی کرنیں پھوٹیں گی۔

ان کہانیوں میں پلاٹ کی بُنت عمدہ' اسلوب سادہ اور عام فہم ہے۔ نئی نسل بلکہ والدین اور بزرگوں کے لیے بھی یہ کہانیاں سبق آموز ہیں اور زندگی کے چھوٹے مگر مختلف النوع رویوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ ان کہانیوں کو پڑھتے ہوئے قاری کے دل میں ہمدردی' محبت اور خلوص کے جذبات اُبھرتے ہیں۔

کتاب کی حقیقی افادیت اسی وقت ممکن ہے جب قارئین ان کہانیوں کو صرف پڑھ لینے پر اکتفا نہ کریں بلکہ خود کو وقارِ عظیم (دیمک) سرمد کی والدہ (اندر کی چٹخنی) اور نعیم راٹھور (چیخ) جیسے کردار بننے سے روکیں' اور ایسے کرداروں کی مذمت کریں تاکہ معاشرہ ان کے بداثرات سے محفوظ رہے۔ (قدسیہ ہاشمی)

عہد بے نظیر بھٹو میں حقوقِ انسانی کی زبوں حالی، ڈاکٹر ایچ بی خاں۔ الحمد اکادمی' ۲ جے' ۱۸-۱ ناظم آباد' کراچی ۷۴۶۰۰۔ صفحات: ۲۰۴۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

مصنف ایک معروف ریسرچ اسکالر ہیں۔ یہ ان کی بارھویں تالیف ہے جس میں بے نظیر بھٹو کے دوسرے دورِ حکومت (۲۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء تا ۵ نومبر ۱۹۹۶ء) میں معاصر اخبارات و رسائل کی مدد سے حقوقِ انسانی کی پامالی (ظلم و بربریت' قتل و غارت گری' بدعنوانیوں اور رشوت ستانی وغیرہ) کا ریکارڈ مرتب کیا گیا ہے۔ لوٹ مار' ڈاکا زنی' پولیس کی زیادتیاں' اغوا برائے تاوان' ناجائز اسلحے کی برآمدگی' گاڑیاں نذرِ آتش' ٹارچر سیل' بھتّے کی وصولی' ناجائز گرفتاریوں وغیرہ کے ضمن میں جو کچھ عہدِ بے نظیر میں ہوا' یہ اس کی تاریخ وار تفصیل ہے۔ اس سب کچھ کی ذمہ داری براہ راست بے نظیر بھٹو پر تو نہیں عائد ہوتی' مگر وہ اس سے بالکل بری الذمہ بھی نہیں ہوسکتیں۔

مؤلف نے اپنے مفصل مقدمے میں اس چشم کشا اور عبرت خیز کتاب کی ترتیب کا جواز پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''انسان اقتدار میں ہو یا عدمِ اقتدار میں' ان دونوں صورتوں میں بلکہ ہر صورت میں انسان یا انسانوں کو لذت گناہ سے روکنے والی ایک ہی طاقت ہے--- جسے قوتِ قاہرہ یا اللہ رب ذوالجلال کہتے ہیں'' (ص ۶)---مؤلف نے اختتامیے میں 'بے نظیر بھٹو کے پہلے دورِ اقتدار' کا مختصر احوال بھی بیان کر دیا ہے۔

ڈاکٹر ایچ بی خان کی محنت قابلِ داد ہے۔ یہ تاریخی ریکارڈ مرتب کر کے' انھوں نے تاریخ و سیاست کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے ایک مفید معاون مرتب کر دیا ہے۔ (ر-ہ)

تعارفِ کتاب

☆ **اسلام' مسلمان اور تہذیبِ جدید' (ایک مطالعہ' ایک جائزہ)**' مولانا عبدالماجد دریابادی (مرتب: محمد موسیٰ بھٹو)۔ سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ' ۴۰۰ بی' لطیف آباد' نمبر ۴' حیدرآباد' سندھ۔ صفحات: ۳۹۲۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔ [صدقِ جدید میں ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۹ء تک شائع ہونے والے شذرات' سوالات کے جوابات' مراسلات اور مضامین کا انتخاب۔ تاریخی نوعیت کی ان تحریروں میں سے بہت سی' آج بھی سبق آموز' عبرت خیز اور معلومات افزا ہیں۔]